پڑھیں عربی میں بھی مہارت بہم پہنچائی۔ کافیہ کو قاضی شہاب الدین کی شرح کی مدد سے پڑھا۔ شاہان سابق کی سوانح عمریاں بھی اسکے زیر مطالعہ رہتی تھیں۔ وہ اکثر مدرسوں اور خانقاہوں میں جاتا اور علماء و مشائخ کی خدمت میں حاضر ہو کر استفادہ کرتا۔ اپنے عہد حکومت میں اسکی یہ عادت تھی کہ جب کبھی بعض علما اسکے پاس مدد معاش حاصل کرنے کیلئے آتے تو ان سے حاشیہ ہندی کے متعلق سوالات کیا کرتا کیونکہ اسے تاریخ و سیر کی کتابوں سے بہت شغف تھا[1] اس بادشاہ نے نارنول (ریاست پٹیالہ) میں ایک بہت بڑی عمارت میں مدرسہ قائم کیا۔ اسی مقام پر شیر شاہ کے پڑدادا حسن کا مقبرہ ہے جو شیر شاہ نے ایک لاکھ روپیہ صرف کرکے بنایا تھا۔

شیر شاہ کے بیٹے کو بھی علم و شعر کا ذوق حاصل تھا۔ شیخ ابوالحسن کنبوہ اور مخدوم الملک شیخ عبداللہ سلطان پوری سے بہت روابط رکھتا تھا۔ اس زمانے کے مشہور فاضل شیخ علائی تھے[2]

اکثر کتب تاریخ کے بعض بیانات سے یہ غلط فہمی عام ہو گئی ہے کہ محمد جلال الدین اکبر بادشاہ بالکل ناخواندہ تھا۔ دراصل یہ چیز تزک جہانگیری سے چلی اور عام ہو گئی۔ تزک میں جہانگیر لکھتا ہے کہ میرا باپ اگرچہ ناخواندہ تھا لیکن عالموں اور ذہین طباع لوگوں سے پیہم مذاکرات کرنے کی وجہ سے اس کی زبان اسقدر شستہ ہو گئی تھی کہ اسکی گفتگو سننے والوں کو یہ احساس نہ ہو سکتا تھا کہ وہ قطعاً غیر تعلیم یافتہ ہے۔ وہ نثر و نظم کے محاسن کو بخوبی سمجھتا تھا اور اس فہم و ذوق میں اپنی نظیر نہ رکھتا تھا[3] لیکن "واقعات جہانگیری" کہ وہ بھی جہانگیر کی خود نوشت سوانح عمری سمجھی جاتی ہے منظہر ہے کہ اگرچہ اکبر بہت زیادہ عالم نہ تھا لیکن جب وہ علما سے گفتگو کرتا تھا تو اسکے سننے والوں کو یہی احساس ہوتا تھا کہ بادشاہ تمام علوم کا ماہر ہے[4] یعنی اس کتاب نے اکبر کو ناخواندہ نہیں بتایا بلکہ صرف یہ کہا ہے کہ وہ اصلاً زیادہ عالم نہ تھا۔ علاوہ بریں جو شخص ملک کے نامور پنڈتوں اور مولویوں سے ہر قسم کے علمی مسائل کے متعلق بحث و مذاکرہ کر سکتا تھا۔ اور نظم و نثر کی صنعتوں اور خوبیوں کو بخوبی سمجھتا تھا۔ اسے جاہل و ناخواندہ کہنا پرلے درجے کی زبردستی ہے

اکبر کی علمی معلومات: یہ واقعہ ہے کہ ہمایوں نے اکبر کی تعلیم پر ملا عبداللطیف کو مقرر کیا اور بیرم خان نے بھی عبداللطیف ہی کو اکبر کی اتالیقی پر فائز رکھا۔ پیر محمد خاں اور حاجی محمد خان بھی اس کے اتالیق تھے[5] ابوالفضل اس امر کا شاہد ہے کہ چار سال چار ماہ چار دن کی عمر میں اکبر کی بسم اللہ کرائی گئی اور مولانا عصام الدین اسکے استاد مقرر کئے گئے[6] جب عصام الدین کو کبوتر بازی کا عادی ہونے کی وجہ سے موقوف کیا گیا تو مولانا بایزید اس کے جانشین ہوئے۔ بعد میں منعم خان اکبر کی فوجی تربیت پر مامور کیا گیا۔ فرشتہ کا بیان ہے کہ اکبر داستان امیر حمزہ کا بیحد شوقین تھا اور آئین اکبری سے ظاہر ہے کہ اکبر نے عمر بھر مطالعہ جاری رکھا۔ ہر روز کوئی نہ کوئی عالم اسکو کتابیں پڑھ کر سنایا کرتا تھا اور اکبر کی کیفیت یہ تھی کہ ہر روز صفحے گن کر سنانے والے کو اس کا معاوضہ ادا کر دیتا تھا۔ ابوالفضل کا بیان ہے کہ علم و ادب اور تاریخ کی شاید ہی کوئی قابل ذکر کتاب ہو جس کو اس نے انتہائی توجہ سے نہ سنا ہو۔ ذیل کی کتابیں اکبر نے بارہا پڑھوا کر سنیں: اخلاق ناصری، کیمیائے سعادت، قابوس نامہ، تصانیف شاہ شرف الدین منیری، گلستان سعدی، حدیقہ حکیم سنائی، مثنوی مولانا روم، جام جم، شاہ نامہ، مثنویات شیخ نظامی، تصانیف خسرو و جامی، دیوان ہائے خاقانی و انوری اور متعدد کتب تاریخ[7]

---

[1] منتخب التواریخ اول ۴۶۶ و تاریخ شیر شاہی ایلیٹ چہارم ۴۱۱۔ [2] منتخب التواریخ اول ۵۰۷، ۵۰۸۔ [3] تزک جہانگیری (راجرز و بیوریج) صفحہ ۳۳
[4] واقعات جہانگیر ۲۸۸، ۲۵۔ [5] فرشتہ دوم ۱۹۲، ۱۷۴۔ [6] اکبر نامہ (بیوریج) اول ۵۱۸ [7] آئین اکبری (بلوکمین)

علمی مصروفیتیں: تاریخ کی تمام کتابیں شاہد ہیں کہ نظم و نسق حکومت کی گرانبار ذمہ داریوں کے باوجود اکبر ہر روز فلسفیوں، صوفیوں، عالموں اور مورخین کی باتیں سنتا، اس نے فتح پور سیکری میں جو "عبادت خانہ" تعمیر کرایا وہ قصر شاہی کے باغ میں واقع تھا۔ اس عبادت خانے میں چار بڑے بڑے ہال تھے۔ مغربی ہال میں سادات، جنوبی میں علما، شمالی میں مشائخ اور اہلِ حال اور مشرقی میں دربار کے وہ امرا اور افسر جمع ہوتے تھے جو علم کا ذوق و شوق رکھتے تھے۔ بعد میں عبادت خانہ علما کی بحث و نزاع کا مرکز بن گیا لیکن اکبر اس سے بھی لطف اندوز ہوتا تھا۔ ہندو پنڈت اور عیسائی مشنری بھی ان مجلسوں میں شریک ہوتے۔ سب شرکائے مجلس کو مٹھیاں بھر بھر کر روپے اور اشرفیاں دیتا اور روز بروز اپنے علم میں اضافہ کرتا رہتا۔ یہ مجلسیں اکثر آدھی رات اور بعض وقت صبح تک برپا رہتیں۔

کتابوں کے ترجمے فارسی میں: اکبر نے سنسکرت اور دوسری زبانوں کی بعض کتابوں کا فارسی میں ترجمہ کروایا۔ ۱۵۸۲ء میں ملا عبدالقادر، نقیب خان اور ایک نو مسلم برہمن کو حکم دیا گیا کہ مہابھارت کا فارسی میں ترجمہ کریں۔ اس کتاب کے اٹھارہ حصوں میں سے دو کوئی تین چار ماہ میں ترجمہ کر دیئے گئے۔ پھر کچھ حصہ ملا شیری اور نقیب خان نے اور کچھ سلطان حاجی تھانیسری نے مکمل کیا۔ اس کے بعد فیضی کو حکم ہوا کہ اس سیدھے سادے ترجمے کو نفیس نظم و نثر میں منتقل کرے لیکن وہ دو حصوں سے زیادہ نہ کر سکا۔ بہر حال مہابھارت کا ایک اچھا خلاصہ فارسی میں مرتب ہو گیا۔ جس کا نام رزم نامہ رکھا گیا۔

ملا عبدالقادر بدایونی نے چار سال کی محنت سے رامائن کا فارسی ترجمہ مکمل کیا۔ اتھر وید کا ترجمہ حاجی ابراہیم سرہندی نے، لیلاوتی کا ترجمہ فیضی نے، علم ہیئت کی ایک کتاب تاجک کا ترجمہ مکمل خان گجراتی نے، واقعات بابری (ترکی) کا ترجمہ فارسی میں عبدالرحیم خان خاناں نے، تاریخ کشمیر کا ترجمہ مولانا شاہ محمد شاہ آبادی نے، جامع رشیدی کا ترجمہ ملا عبدالقادر نے اور معجم البلدان (عربی میں علم جغرافیہ کی کتاب) کا ترجمہ ملا احمد ٹھٹھوی۔ قاسم بیگ شیخ منور اور ملا عبدالقادر نے کیا۔ سنسکرت کی کتاب ہری بنس کا فارسی میں ترجمہ نصر اللہ مصطفےٰ نے اور پنج تنتر کا ترجمہ مولانا حسین واعظ نے کلیلہ دمنہ کے نام سے مکمل کیا۔ اس کے بعد اس کتاب کا ایک سادہ ترجمہ بھی ہوا جس کا نام عیار دانش رکھا گیا۔ مثنوی لیلیٰ مجنوں کے انداز پر نل اور دمینتی کے عشق کی داستان بھی فارسی میں نظم کی گئی۔ جن دنوں دربار قنوج میں تھا شہنشاہ نے ملا عبدالقادر کو حکم دیا کہ سنگھاسن بتیسی کا فارسی نظم و نثر میں ترجمہ کرے، ایک فاضل برہمن ملا کی مدد کیلئے مامور کیا گیا۔ ترجمہ مکمل ہونے پر اس کا نام "نامۂ خرد افزا" رکھا گیا جس سے تاریخ بھی نکلتی ہے یہ کتاب شاہی کتب خانے میں رکھی گئی۔ شاہ نامہ نثر میں منتقل کیا گیا۔ حیات الحیوان کا ترجمہ بھی فارسی میں کیا گیا۔ زیچ الغ بیگ کا ترجمہ امیر فتح اللہ شیرازی کی نگرانی میں اور کشن جوشی اور مہیش مہانند کا ترجمہ سنسکرت سے فارسی میں ابوالفضل کے زیر نگرانی کرایا گیا۔ تاریخ الفی نقیب خان اور مولانا احمد ٹھٹھوی نے لکھی لیکن اس کی تکمیل جعفر بیگ اور آصف خان نے کی۔[1]

کتب خانے: اکبر کو کتابیں جمع کرنے کا جنون تھا۔ کتب خانہ شاہی کی کچھ کتابیں حرم سلطانی میں رہتی تھیں۔ اور کچھ محل کے مردانہ حصے میں رکھی جاتی تھیں۔ فتح گجرات کے موقع پر اعتماد خان گجراتی کا کتب خانہ بھی اکبر کے ہاتھ آیا۔ اس میں بہت سی نادر کتابیں موجود تھیں جو کتب خانہ شاہی میں داخل کی گئیں لیکن بعد میں شہنشاہ نے وہ بعض علما و مشائخ میں تقسیم کر دیں۔ ملا عبدالقادر کو انوار المشکوٰۃ کا ایک نسخہ عطا ہوا،

---

[1] تراجم کتب کی یہ تمام تفصیلات منتخب التواریخ (ملا عبدالقادر بدایونی) اور آئین اکبری (ابوالفضل) سے ماخوذ ہیں۔

جب فیضی کا انتقال ہوا تو اس کے ذاتی کتب خانے میں چار ہزار چھ سو نہایت نایاب کتابیں موجود تھیں۔ جن میں سے بعض خود مصنفوں کے ہاتھ کی اور بعض انکے معاصرین کی لکھی ہوئی تھیں۔ یہ تمام کتابیں کتب خانہ شاہی میں داخل کی گئیں اور ان کو تین حصوں میں تقسیم کر کے رکھا گیا۔ پہلے حصے میں شاعری۔ طبابت، نجوم اور موسیقی، دوسرے حصے میں علم اللسان، فلسفہ، تصوف، ہیئت و ہندسہ اور تیسرے حصے میں تفسیر، حدیث اور فقہ کی کتابیں جمع تھیں۔ فیضی کے اس کتب خانے میں مثنوی نل دمن کے ایک سو ایک نسخے موجود تھے[۱]۔

اُمراء و علماء کے ہاں اکثر نہایت گرانقدر کتب خانے موجود تھے۔ جن میں مختلف علوم و فنون کی کتابوں کے نادر نسخے جمع رہتے تھے۔

تعلیم شہزادگان: اکبر نے اپنے بیٹوں اور پوتوں کی تعلیم کا نہایت مناسب انتظام کر رکھا تھا۔ اور اس کام پر بڑے بڑے نامور علماء مامور تھے۔ قطب الدین خان اور عبدالرحیم میرزا شہزادہ سلیم کے اتالیق تھے۔ فیضی اور شریف خان شہزادہ مُراد کو تعلیم دیتے تھے۔ سید خان چغتائی شہزادہ دانیال کا اتالیق تھا۔ شہزادہ مراد جیسوئیٹ پادریوں سے انجیل بھی پڑھتا تھا۔ اکبر نے اپنے ایک پوتے کی اتالیقی پر ابوالفضل اور ایک برہمن کو مقرر کر رکھا تھا۔

تعلیم رعایا: اکبر نے اپنی ہندو اور مسلم رعایا کی تعلیم کا انتظام شاہان سابق سے بہت بڑھ چڑھ کر کیا۔ قلمرو کے مکاتب و مدارس میں ہندو اور مسلم طالب علم اکٹھے پڑھتے تھے۔ فارسی پڑھانے کا انداز اسقدر صحیح اور سائنٹیفک تھا کہ چند ہفتوں کے اندر طالب علم فارسی نثر و نظم روانی سے پڑھ سکتا تھا۔ باعتبار علوم تعلیم کی ترتیب یہ تھی: اخلاق، ریاضی، حسابات، زراعت، ہندسہ، ہیئت، علم الارض، معاشیات، سیاست ملکی، طبعیات، منطق، فلسفہ فطرت، مجرد ریاضیات، دینیات اور تاریخ۔ ہندو طلبہ ویاکرن (صرف و نحو) ویدانت اور پتنجلی پڑھتے تھے۔ ابوالفضل لکھتا ہے کہ نظام تعلیم میں تبدیلیوں کی وجہ سے مکاتب و مدارس قلمرو کے لئے زیب و زینت کا سامان بن گئے۔ نئے دن قلمرو کے مختلف حصوں میں نئے نئے مکاتب اور بڑے بڑے مدرسے قائم کئے جا رہے تھے۔ فتح پور سیکری کی پہاڑی پر اکبر نے ایک اتنا بڑا مدرسہ قائم کیا کہ سیاح اس کی کوئی نظیر پیش نہ کر سکتے تھے۔ اس کے علاوہ شہر میں بیشمار دوسرے مدرسے بھی تھے، جو شہنشاہ کے حکم سے بنائے گئے تھے۔ آگرہ میں بھی بہت سے مدرسے تھے جن میں تعلیم و تدریس کے لئے شیراز سے معلّمین طلب کئے گئے تھے کیونکہ شیراز اُس زمانے میں مُسلمانوں کے علوم کا مشہور مرکز تھا۔

عبدالحمید لاہوری "بادشاہ نامہ" میں لکھتا ہے، کہ مشہور فاضل شیخ عبدالحق نے بیس سال کی عمر میں تمام علوم متداولہ کی تحصیل مکمل کر لی تھی، اور قرآن بھی حفظ کر لیا تھا اور شیخ عبدالحق نے لکھا ہے، کہ میں دن میں دو دفعہ صبح و شام گرمی میں اور جاڑے میں دہلی کے ایک مدرسے میں جایا کرتا تھا اور صرف تھوڑے عرصے کے لئے اپنے گھر کھانا کھانے آتا تھا۔ میرا گھر مدرسے سے دو میل کے فاصلے پر تھا۔ یعنی مجھے روزانہ آٹھ میل کی مسافت طے کرنی پڑتی تھی۔ یہ شائقین علم کے شوق و ذوق کا عالم تھا[۲]۔

اس زمانے میں بیشمار اہل علم اپنے گھروں پر بھی شاگردوں کو پڑھاتے تھے۔ یہ نصاب درس عام مدرسوں کے نصاب سے بلند تر ہوتا تھا، اور اس کی تکمیل کے بعد طالب علم فارغ التحصیل سمجھا جاتا تھا۔ مثلاً ملّا عبدالقادر بدایونی صاحب منتخب التواریخ نے اپنے وطن

---

[۱] منتخب التواریخ۔ ایلیٹ پنجم ۵۴۸ - [۲] اخبار الاخیار۔ عبدالحق ۳۵۷۔

بساور کو چھوڑ کر آگرہ میں علوم کی تکمیل کی۔ یہاں انھوں نے مہر علی بیگ کے آگے زانوئے تلمذ تہہ کیا تھا۔ اس قسم کے شخصی مراکز علم بیشمار تھے۔ اور ان کا فیضِ عام تھا[10]

اُمرائے اکبری کی علمی خدمات بعض اُمرا بھی خدمتِ علم پہ روپیہ صرف کرتے تھے۔ مثلاً شہنشاہ کی دایہ ماہم انگہ (ادہم خان کی ماں) نے ایک عالیشان مدرسہ قائم کیا اور اس کے ساتھ ایک خوبصورت مسجد تعمیر کرائی۔ یہی وہ مدرسہ ہے جس کی چھت سے اکبر پہ قاتلانہ حملہ کیا گیا تھا۔ طبقاتِ اکبری میں بیان کیا گیا ہے، کہ جب شرف الدین حسین دربار سے بھاگ کر ناگور چلا گیا تو اسکے ایک غلام فولاد نے تاؤ کھا کر شہنشاہ کو ہلاک کرنے کا منصوبہ باندھا اور کسی طرح اردوئے شاہی میں داخل ہو گیا۔ اکبر شکار کھیل کر واپس آرہا تھا۔ کہ اس کمبخت نے اس مدرسے کی چھت پر چڑھ کر شہنشاہ پہ تیر چلایا جس سے شہنشاہ زخمی ہو گیا۔ خدام شہنشاہی نے اس غدار کا تلواروں سے قیمہ کر ڈالا۔ یہ مدرسہ کھنڈر کی صورت میں پُرانے قلعہ دہلی کے مغربی دروازے کے بالمقابل واقع ہے۔ ایک اور مدرسہ خواجہ معین نے تعمیر کیا تھا۔ مرزا مفلس سمرقندی تین سال تک اس میں پڑھاتے رہے[11]

اکبر ماہرین علوم و فنون کو وظائف و انعامات سے نوازتا رہتا تھا۔ فتح کشمیر کے موقع پر اس نے علمائے کشمیر کو مالا مال کر دیا۔ ہندو اور مسلمان اہلِ علم سب اس کی سخاوت سے بہرہ اندوز ہوتے تھے چنانچہ ترویتی کے بنگالی شاعر مادھو چاریہ نے اپنی کتاب چنڈی منگل میں اکبر کی مدح و ثنا میں کافی زورِ قلم صرف کیا ہے۔ طبقات اکبری میں کوئی پچانوے علما و ادبا و شعرا کی فہرست دی گئی ہے جن میں سے اکثر شہنشاہ کے وظیفہ خوار تھے۔ ان میں سے چند کے نام یہ ہیں: امیر میر تقی شریفی، مُلّا سیّد سمرقندی، شیخ ابو الفضل، مُلّا علاء الدین ہندی، مُلّا صادق صوائی، مرزا مفلس سمرقندی، حافظ تاشقندی، ملا عبداللہ سلطانپوری، شیخ عبدالنبی دہلوی، قاضی جلال الدین ہندی۔

بیرم خان کا بیٹا عبدالرحیم خانخاناں دربار اکبری کے ممتاز ترین امرا میں سے تھا اور علم و فن کی سرپرستی میں مشہور روزگار تھا خود بھی فارسی، ترکی، عربی اور ہندی میں نظم و نثر بے تکلف لکھتا تھا۔ اس نے توزک بابری (ترکی) کا فارسی ترجمہ کر کے اکبر کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ عبدالرحیم خانخاناں کا بیٹا میرزا ایرج بھی تعلیم یافتہ امیر تھا۔ میرزا جان شیرازی کے ایک شاگرد مولانا خیر الدین رومی اسکے اتالیق تھے۔ اِسکو ایک اور استاد سے بھی حصولِ تعلیم کا موقع ملا جو احمد آباد کے مدرسے میں تیس سال تک معلمی میں مصروف رہا تھا۔ عبدالرحیم کے پاس ایک نادر کتب خانہ تھا جس سے بعض اہلِ علم اکثر استفادہ کرتے تھے۔ بہت سے لوگ خود خانخاناں کے پاس حصولِ تعلیم کیلئے آیا کرتے تھے۔ کوئی پچانوے علما مختلف طریقوں سے عبدالرحیم کی فیاضانہ توجہ سے بہرہ ور تھے[12]

غرض اکبر اور اس کے اُمرا نے جس وسعتِ قلب اور دریا دلی سے علم و فن اور اسکی تعلیم و تدریس کی خدمت کی۔ اس کی مثالیں شاہانِ سابق میں نہیں پائی جاتیں۔ نہ آئندہ بادشاہ اس کی علم دوستی کا مقابلہ کر سکے۔ وہ قدردانی علما و شعرا اور شوق ترویج تعلیم میں عمر بھر مصروف رہا۔ ہندوستان کی ذہنی تربیت میں اس کا بڑا حصہ ہے اور اس کی رواداری کے باعث ہندو اور انگریز مؤرخین بھی اس کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان ہیں۔

---

[10] منتخب التواریخ ایلیٹ پنجم ۴۹۴ - [11] منتخب طبقات اکبری - [12] مندرجہ بالا معلومات کا ماخذ مآثرِ رحیمی ہے -

جہانگیر: جہانگیر کے پہلے اتالیق مولانا میر کلاں محدث تھے۔ جو اکبر کے زمانے میں ہرات سے آئے تھے۔ عبدالرحیم میرزا اور قطب الدین محمد خان کا ذکر پہلے بھی آ چکا ہے۔ بلکہ قطب الدین خان کے تقرر پر ایک جشن منعقد کیا گیا۔ جس میں اتالیق نے حسب رواج شہنشاہ کی خدمت میں ہاتھی اور دوسرے ہدایا پیش کئے اور شہزادے کو کندھے پر بٹھا کر زر و جواہر کے تشت نثار کئے[1]۔ اگرچہ جہانگیر کی تعلیم و تربیت ہندوستان ہی میں ہوئی تھی لیکن وہ فارسی کے علاوہ ترکی بھی خوب جانتا تھا۔ چنانچہ توزک بابری کا اصل نسخہ (ترکی) اس کے زیر مطالعہ رہتا تھا یہ نسخہ بابر کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا لیکن اس میں چار باب کم تھے۔ جہانگیر نے وہ چار باب نقل کر کے اس میں اضافہ کر دیئے اور اس پر زبانِ ترکی میں لکھ دیا کہ یہ باب میں نے نقل کر کے بڑھائے ہیں[2]۔ اس نے محمد ہادی اور معتمد خان کی مدد سے اپنی سوانح عمری توزک جہانگیری مرتب کی اور اس کے بعد اپنے کتب خانے کے متصدیوں کو حکم دیا کہ بہت سے نسخے تیار کریں۔ یہ نسخے حکام سرکاری اور ملک بھر کے معزز امرا کو تقسیم کئے۔ پہلا نسخہ شاہ جہان کو عنایت ہوا[3]۔

جہانگیر نے ایک قانون نافذ کیا، کہ جو امیر یا دولتمند سیاح لاوارث فوت ہو جائے۔ اس کی املاک متروکہ بحق شہنشاہ ضبط کر کے اس سے مدرسوں اور خانقاہوں کی تعمیر و مرمت کا کام انجام دیا جائے[4]۔ بہت سے مدرسے جو تیس تیس سال سے چرند و پرند کے مسکن بنے ہوئے تھے، جہانگیر نے ان کی مرمت کر کے انھیں معلمین و متعلمین سے آباد کیا۔ آگرہ جو اکبر کے زمانے میں علم و فن کا مرکز بن چکا تھا۔ جہانگیر کے زمانے میں بھی بدستور رہا، وہ خود توزک میں لکھتا ہے، کہ باشندگانِ آگرہ علوم و فنون کی تحصیل میں بہت محنت کرتے ہیں اور ادر ہر مذہب و مسلک کے معلمین اس شہر میں آباد ہو چکے ہیں۔ کتب خانہ شاہی کا مہتمم مکتوب خان تھا جب جہانگیر گجرات گیا۔ تو ایک کتب خانہ ساتھ لے گیا جس سے اس کے شوق کتب بینی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اس نے اس کتب خانے سے شیوخ گجرات کو تفسیر حسینی تفسیر کشاف اور روضۃ الاحباب عنایت کیں۔ اور ان کتابوں کے پشتوں پر اپنے ہاتھ سے گجرات آنے اور کتابیں عنایت کرنے کی تاریخ ثبت کی (توزک جہانگیری)

جہانگیر کے زمانہ میں جو بڑے بڑے علما درس و تدریس کے کام میں مصروف تھے، ان میں مرزا غیاث بیگ ریاضی اور انشاپردازی کا ماہر تھا اور اسکے علاوہ مُلّا لطف اللہ شیرازی، مُلّا شکر اللہ شیرازی۔ مُلّا تقی شوستری، میر ابوالقاسم گیلانی مُلّا باقر کشمیری مُلّا مقصود علی، قاضی نور اللہ شوستری، مُلّا فاضل کابلی، مُلّا عبدالحکیم سیالکوٹی، مُطلب سلطان پوری، رحمان بھور گجراتی حسن فراغی گجراتی حسین گجراتی، خواجہ عثمان حصاری، مُلّا محمد جونپوری اور بہت سے دوسرے باکمال بھی موجود تھے[5]۔

شاہ جہاں: شاہ جہان کے عہد میں وہ تمام مدارس جو شاہانِ سابق و امرا کے زمانوں میں قائم کئے گئے تھے مع اپنے اوقاف کے نہایت رونق پر رہے، اس کے علاوہ اس نے خود جامع مسجد دہلی کے قریب ایک شاہی مدرسے کی بھی بنیاد رکھی۔ کارسٹیفن نے بتایا ہے کہ جامع مسجد کے شمال میں شاہی شفاخانہ اور جنوب میں شاہی مدرسہ واقع تھا، یہ دونوں عمارتیں ۱۸۵۷ء کے ہنگامے سے بہت پہلے کھنڈر ہو چکی تھیں اور ۱۸۵۷ء کے بعد بالکل پیوند زمین کر دی گئیں۔ یہ عمارتیں مسجد کے ساتھ ہی ۱۶۵۰ء میں تعمیر کی گئی تھیں۔ سرسید احمد خاں نے لکھا ہے

---

[1] منتخب التواریخ دوم ۲۷۸۔ [2] واقعات جہانگیری ایلیٹ ششم ۳۱۵، ۳۶۰۔ [3] منتخب اللباب خافی خان اول ۹۴۲۔ [4] اقبال نامہ جہانگیری ص ۳۱۰۔

کہ بعد میں مولوی محمد سعد الدین خان صدر الصدور شاہجہان آباد نے یہ مدرسہ اپنے نام منتقل کرالیا تھا اور مرمت و اضافہ کے بعد اس میں تازہ روح پھونک دی تھی۔ شاہجہان نے ایک اور مدرسہ دار البقا کے کھنڈروں کی بھی مرمت کرائی تھی اور چند ممتاز علما کو اس میں مدرس مقرر کیا تھا۔ بادشاہ وقت نے مولانا صدر الدین صدر الصدور کو اس مدرسے کا نگران مقرر کیا۔ اس کے پاس ہی دو بڑے بڑے حوض، ایک مسجد، ایک شفا خانہ اور ایک بڑا بازار واقع تھا۔[1]

شہزادہ دارا شکوہ: شہزادہ دارا شکوہ کو سنسکرت زبان ہندوؤں کے ادبیات اور یوگ اور تصوف سے خاص شغف تھا، وہ فارسی اور عربی بھی خوب جانتا تھا، اور شیخ میر ہروی خراسانی اس کے اتالیق تھے جو خود اس زمانے کے نامور عالم مولانا عبد السلیم کے شاگرد تھے۔ یہ شہزادہ ہر وقت برہمنوں، جوگیوں اور سنیاسیوں کی صحبت میں رہتا تھا اور اس نے ملک بھر سے ذی علم آدمیوں کو جمع کرکے ویدوں کا ترجمہ فارسی میں کرایا تھا۔ وہ خود بھی متعدد کتابوں کا مترجم اور مصنف تھا۔ اس نے اپنشدوں کا ترجمہ سر الاسرار (یا سر اکبر) کے نام سے کیا۔ اس کتاب کے دیباچہ سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ قیام کشمیر میں وہ ایک مشہور صوفی بزرگ ملا شاہ کا مرید ہوگیا تھا۔ وحدت الوجود کا قائل تھا۔ اسی وجہ سے اس نے بنارس سے چند فاضل پنڈتوں کو بلوا کر ان کی مدد سے اپنشدوں کا ترجمہ کیا۔ جو ۱۶۵۷ء میں مکمل ہوا۔ بھگوت گیتا کا اور یوگ وششٹ رامائن کا ترجمہ بھی دارا شکوہ ہی کا کیا ہوا ہے۔ ایک سنیاسی بابا لال داس سے شہزادے کی جو گفتگو ہوئی اس کو مکالمہ بابا لال داس کے نام سے مرتب کیا۔ سفینۃ الاولیا میں اولیائے اسلام کے حالات لکھے۔ سکینۃ الاولیا میں حضرت میاں میر اور ان کے خلفا کا حال لکھا۔ نادر النکات، حسنات العارفین اور رسالہ حق نما، تین رسالے تصوف پر تالیف کیے۔ ایک کتاب مجمع البحرین لکھی۔ جس میں ہندوؤں اور صوفیوں کی اصطلاحات وحدت الوجود کے درمیان تطابق قائم کیا۔ غرض اس شہزادے کی توجہ زیادہ تر تصوف کی طرف مبذول رہی اور اس کی حوصلہ افزائی سے علم کے اس شعبے نے بھی خاصی ترقی کی۔[2]

اورنگ زیب عالمگیر: ہندوستان کے شہنشاہوں میں یہ بادشاہ اپنی بعض خصوصیتوں کے اعتبار سے بہت ممتاز تھا۔ عابد و متقی انسان تھا۔ علم سے بے حد شغف رکھتا تھا۔ خصوصاً فقہ اسلامی کی تدوین و ترتیب اور اس کے نفاذ پر بہت متوجہ رہتا تھا۔ اس نے بے شمار مکاتب و مدارس قائم کیے۔ ایک دفعہ اس نے لکھنؤ کے ایک محلہ فرنگی محل میں ولندیزوں کی عمارتیں ضبط کیں اور انہیں مدرسہ قائم کرنے کے لیے مسلمانوں کے حوالے کردیا۔ چنانچہ دار العلوم فرنگی محل لکھنؤ میں اب تک موجود ہے (سفرنامہ برنیئر) اس نے مکرمت خان دیوان گجرات اور قلمرو کے دوسرے افسروں کو یہ حکم بھیجا۔ کہ میزان سے لے کر کشاف تک جتنے طلبہ تعلیم پا رہے ہوں ان سب کو معلمین مدارس اور مقامی صدر کی منظوری سے مالی امداد دی جائے۔ تاریخ فرح بخش میں محمد بخش نے لکھا ہے۔ کہ عالمگیر طلبہ کو ان کی تعلیم و تدریس کے دوران میں روزانہ وظائف دیا کرتا تھا۔ مثلاً میزان پڑھنے والے کو ایک آنہ، منشعب کے طالب علم کو دو آنے اور شرح وقایہ اور فقہ تک کے طلبہ کو آٹھ آنے روزانہ ملتے تھے۔ ۱۶۶۷ء میں اس نے گجرات کے مدرسوں کی مرمت کیلئے گرانقدر رقم منظور کی۔ اکرم الدین صدر نے احمد آباد میں ایک لاکھ چوبیس ہزار روپے کے صرفے سے ایک مدرسہ تعمیر کیا۔ اور شہنشاہ سے امداد طلب کی۔ اس پر عالمگیر نے دو گاؤں سوندرہ اور

---

[1] آثار الصنادید باب سوم ۶۹۔ [2] نرندرناتھ لا۔ ۱۸۶۔

سیہا بطور جاگیر مدرسے کے نام وقف کردیئے[1]۔ اس مدرسے کے علاوہ بعض بزرگوں نے اور مدرسے بھی قائم کئے۔ مثلاً: بیانہ میں قاضی رفیع الدین محمد نے قاضیوں کی مسجد کے پاس ایک مدرسہ تعمیر کیا جس کے کتبے پر تاریخ نشانہ صدر (۱۰۶۷ھ) درج ہے۔

اس زمانے میں سیالکوٹ علوم اسلامی کا بڑا مرکز تھا اور ملک کے اکثر حصوں سے لوگ اس قصبے کی طرف رجوع کرتے تھے۔ مشہور عالم ملا عبدالحکیم سیالکوٹی کے بیٹے مولوی عبداللہ ایک مدرسے میں تعلیم دیتے تھے۔ سیالکوٹ کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ یہاں بہت اچھا کاغذ بنتا تھا۔ مان سنگھی اور ریشمی کاغذ خاص طور پر مشہور تھا کیونکہ وہ ساخت کے اعتبار سے صاف، منضبط اور پائدار تھا۔ سیالکوٹ کے نواح میں تین گاؤں کاغذ سازوں سے آباد تھے۔ یہاں سے کاغذ ملک کے دوسرے حصوں میں بھیجا جاتا تھا۔ اور شہنشاہان دہلی کے دفاتر میں بھی زیادہ تر یہی استعمال کیا جاتا تھا[2]۔

عالمگیر کی تعلیم : اورنگ زیب نے بڑے بڑے علما اور اہل فن سے تعلیم و تربیت حاصل کی، ان میں مولانا عبداللطیف سلطانپوری، مولانا ہاشم گیلانی، علامی سعداللہ خان (وزیر شاہجہاں)، محی الدین عرف ملا موہن بہاری۔ مولانا سید محمد قنوجی، ملا شیخ احمد (ملا جیون)، شیخ عبدالقوی، ملا شفیعائے یزدی مخاطب بہ دانشمند خان (عالمگیر نامہ)

شہنشاہ عربی۔ فارسی، ترکی (چغتائی)، اور ہندوستانی چار زبانیں بوجہ احسن جانتا تھا اور ان زبانوں میں بے تکلف گفتگو کرتا تھا۔ لیکن فارسی پڑھنے لکھنے کا بے حد شوقین تھا۔ عالمگیر نامہ اور مآثر عالمگیری میں لکھا ہے کہ تفسیر، حدیث اور فقہ پر اس کی توجہ بطور خاص مبذول رہتی تھی۔ اور طریقت، سلوک اور اخلاق کی کتابیں مثلاً احیاء العلوم، کیمیائے سعادت، رسائل شیخ زین الدین و قطب الدین و محی الدین شیرازی اور مکتوبات شیخ احمد سرہندی اکثر زیر مطالعہ رکھتا تھا۔ غالباً آل تیمور میں یہ پہلا بادشاہ تھا جس نے قرآن حفظ کیا۔ پینتیس سال کی عمر میں حفظ شروع کیا۔ تاریخ ہوئی۔ مستقر ثلث غلا تنسلی (۱۰۶۲ھ) اور ختم حفظ کی تاریخ "لوح محفوظ" (۱۰۷۸ھ) ہوئی۔ ایک شاعر نے رباعی لکھی ؎

تو محی دین و مصطفےٰ حافظ تو — تو صاحب سیف و مرتضیٰ حافظ تو
تو حامی شرع و حامی تو شارع — تو حافظ قرآن و خدا حافظ تو

شہنشاہ نے شاعر کو صرف اس رباعی پر سات ہزار روپے انعام دیا۔

تعلیم کے متعلق اس کے خیالات نہایت دانشمندانہ اور عملی تھے۔ چنانچہ برنیر نے ملا صالح کا ایک قصہ لکھا ہے (گو مؤرخین اسکو نہیں مانتے) کہ عالمگیر کا کوئی استاد ملا صالح نامی بھی تھا جس کو اورنگ زیب نے یہ کہہ کر ملامت کی کہ تم نے مجھے صرف نحو اور منطق و فلسفہ میں الجھائے رکھا۔ حالانکہ تمہارا فرض تھا۔ مجھے یہ بتاتے کہ روئے زمین کی اقوام کی کیا کیا خصوصیات ہیں، ان کے وسائل، انکی قوت، انکے اسلوب جنگ، انکے اوضاع و اعتقادات۔ انکے نظام حکومت کی کیا کیفیت ہے۔ اور مجھے تاریخ کے باقاعدہ مطالعہ سے یہ بتاتے کہ سلطنتوں کے آغاز اور ان کے عروج و زوال کے اسباب کیا ہوئے۔ اور وہ کونسے واقعات، حوادث یا لغزشیں

۱؎ مراۃ احمدی از علی محمد خان اوّل ۲۶۳ – ۲؎ خلاصۃ التواریخ سوجان رائے۔

تھیں جن کی وجہ سے دُنیا میں بڑے بڑے تغیرات و انقلابات رونما ہوئے تاکہ یہ معلومات کاروبارِ مملکت میں زیرِ کام آتیں۔

اورنگ زیب اپنے ہاتھ سے قرآن کی نقلیں کیا کرتا تھا اور مکۂ معظمہ اور مدینہ منورہ میں بھیجتا تاکہ حرمین میں ان نسخوں کی تلاوت کے باعث وہ داخلِ ثواب ہو۔ انتقال کے وقت تحریرِ مصحف بازی کی اُجرت کے ۳۰۵ روپے اس کے بٹوے سے برآمد ہوئے۔ جو حسبِ وصیت نامہ فقرا کو تقسیم کر دیئے گئے۔

عالمگیر کے رقعات شاہد ہیں کہ وہ زبانِ فارسی کا بے نظیر انشا پرداز تھا۔ اور اسے قلیل الفاظ میں اپنے مافی الضمیر کے اظہار پر حیرت انگیز قدرت حاصل تھی۔ اس نے اپنے شہزادوں، امیروں اور صوبہ داروں کو جو خطوط لکھے ہیں ان میں بھی ان کی تعلیم و ہدایت کیلئے قیمتی نصائح و مواعظ قلمبند کئے ہیں۔ عالمگیر کا عہد بڑے بڑے جلیل القدر علما سے لبریز تھا۔ ملا محمد یعقوب میر عدل۔ شیخ سلیمان منبری داروغہ اُمورِ دینی، شیخ عبدالعزیز اکبرآبادی منشی دربار۔ ملا قطب، ہانس ملتانی۔ شیخ قطب برہانپوری۔ ملا عوض وجیہ محتسب لشکر ملا عبداللہ سیالکوٹی (فرزند ملا عبدالحکیم)، قاضی عبدالوہاب (قاضی عسکر) شیخ الاسلام پسر عبدالوہاب، ملا شرف الدین لاہوری۔ ملا عبدالباقی جونپوری۔ قاضی محب اللہ بہاری اور بیشمار دوسرے اہلِ کمال عہدِ عالمگیری میں موجود تھے۔ حضرت عبداللطیف برہانپوری حضرت شیخ برہان، حضرت ملا قطب الدین شہید سہالوی، حضرت شیخ بایزید۔ حضرت میر نصیر الدین ہروی اس زمانے کے بڑے بڑے اولیا و اصفیا تھے اور شاہنشاہ ان کا بے حد احترام کرتا تھا۔

چونکہ عالمگیر کو فقہِ اسلامی سے خاص شغف تھا اس لئے اس نے شیخ نظام کے زیرِ ہدایت علمائے حنفی کی ایک پوری جماعت کو فقہ کی کتاب لکھنے پر مامور کیا۔ جس کا نام بعد میں فتاویٰ عالمگیری رکھا گیا اور جو فقہ حنفیہ کی ایک مستند کتاب سمجھی جاتی ہے۔ حضرت شاہ عبدالرحیم (والدِ شاہ ولی اللہؒ) مولانا میر محمد قنوجی۔ ملا محمد جمیل، قاضی محمد حسین جونپوری۔ ملا حامد جونپوری، شیخ وجیہ الدین۔ شیخ رضی الدین۔ سید علی اکبر سعد اللہ خانی۔ سید نظام الدین ٹھٹھوی۔ مولانا جلال الدین محمد۔ مولانا محمد شفیع۔ ملا وجیہ الرب۔ مولانا محمد فائق۔ ملا محمد اکرم۔ ملا محمد غوث۔ میر میراں علامہ ابوالفرح (عرف سید مدن)، ملا غلام محمد، قاضی القضاۃ لاہوری۔ قاضی سید عنایت اللہ مونگیری اس کتاب کی ترتیب میں شامل تھے۔ شہنشاہ خود ہر روز اس کتاب کے ایک دو صفحے سنتا تھا اور علما کو مشورے دیتا تھا۔ شہنشاہ کو دینیات سے جو مخصوص دلچسپی تھی اس کی وجہ سے کتب خانۂ شاہی کے دینی حصے میں گرانقدر کتابوں کا اضافہ ہو گیا تھا

عالمگیر نہایت راسخ العقیدہ اور پرہیزگار مسلمان تھا۔ تہجد کے بعد صبح ۵ بجے سے ۷ بجے تک تلاوتِ قرآن کرتا اور پھر ڈھائی بجے سے ساڑھے پانچ بجے شام تک کتابتِ قرآن اور مطالعۂ کتب میں گزارتا۔ جمعرات کی شام کو رات گئے تک تلاوت و نماز میں مصروف رہتا۔ اور سلطنت کے کاروبار بھی نہایت باقاعدگی اور دقتِ نظر سے انجام دیتا۔ غرض سلاطینِ مغلیہ میں تقویٰ، محنت، علم دوستی، علما پروری ترویجِ تعلیم کے اعتبار سے یہ بادشاہ بہت ممتاز درجہ رکھتا تھا۔[1]

بہادر شاہ: زبدۃ التواریخ میں مولوی عبدالکریم نے لکھا ہے کہ بہادر شاہ نے بہت اچھی تعلیم پائی تھی اور علما کی صحبت کا بے حد

---

[1] یہ تمام تر معلومات مآثرِ عالمگیری۔ عالمگیر نامہ (منشی محمد کاظم) اور جدو ناتھ سرکار سے ماخوذ ہیں۔

[illegible]: اس کے عہد میں دو نئے مدرسے دہلی میں قائم ہوئے۔ ایک کی بنیاد غازی الدین نے رکھی، یہ آصف جاہ اول کا بیٹا تھا، جو دکن میں خاندانِ آصفیہ کا بانی تھا۔ غازی الدین اورنگ زیب کا ایک معتمد علیہ افسر اور بہادر شاہ کے دربار کا ایک مقتدر امیر تھا۔ دہلی میں اجمیری دروازے کے قریب اس نے ایک مدرسہ تعمیر کیا جس کے احاطے کے اندر ایک مسجد اور ایک اپنا مقبرہ بھی بنایا۔ دوسرا مدرسہ خان فیروز جنگ نے بنایا اور وہ مرنے کے بعد اسی مدرسے میں دفن ہوا۔ بہادر شاہ کے زمانے میں قنوج کے مقام پر ایک مدرسہ فخر المرابع کے نام سے قائم تھا جس میں فرخ آباد کے مولوی علیم الدین اور مولوی نعیم الدین نے تعلیم پائی۔[1]

محمد شاہ: اگرچہ سید بھائیوں کی سازشوں اور نادر شاہ کے حملے کی وجہ سے محمد شاہ کے عہد میں سخت ابتری پھیلی ہوئی تھی۔ لیکن بادشاہ کے حکم سے انبیر کے راجا سوائی جے سنگھ (بانیٔ جے پور) نے جے پور، اجین، متھرا، بنارس اور دہلی میں رصدگاہیں تعمیر کیں تاکہ علمِ ہیئت کی ترویج ہو۔ دہلی کی رصدگاہ فصیلِ شہر کے باہر جنتر منتر کے نام سے مشہور ہے۔ یہ ۱۷۲۴ء میں تعمیر ہوئی تھی۔ ابھی مکمل نہ ہوئی تھی کہ خونخوار جاٹوں نے پچاس برس کے اندر ہی اندر اس کو تباہ کر دیا۔[2] اسی رصدگاہ کے مشاہدات کے ماتحت مرزا خیر اللہ اور شیخ محمد محدث نے جے سنگھ کے زیرِ نگرانی زیجِ محمد شاہی مرتب کی جس کی صحت ۱۷۳۸ء میں دو سیاروں کے قِران کے وقت پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی۔ ۱۷۲۲ء میں نواب شرف الدولہ نے ایک مدرسہ مع مسجد تعمیر کیا۔ نادر شاہ نے دہلی پر حملے کے دوران میں قتلِ عام کا جو حکم دیا تھا۔ وہ سید محمد بلگرامی کی کتاب تبصرات الناظرین کے بیان کے مطابق "مدرسہ روشن الدولہ" میں بیٹھ کر دیا تھا۔ بعض مؤرخین مسجد روشن الدولہ کا ذکر کرتے ہیں اور مدرسے کا نام نہیں لیتے لیکن چونکہ اس زمانے میں مدرسہ و مسجد قریب قریب لازم و ملزوم تھے۔ اس لئے ایک اور مدرسے کا وجود بھی ثابت ہی سمجھنا چاہیئے۔

شاہ عالم ثانی: اگرچہ نادر شاہ مال و دولت کے علاوہ شاہانِ مغلیہ کے کتب خانے پر بھی ہاتھ صاف کر گیا تھا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ شاہ عالم ثانی کے وقت کتابوں کی فراہمی دوبارہ شروع کر دی گئی تھی۔ غلام قادر روہیلے نے جو شاہ عالم کی آنکھیں نکالنے کا مجرم ہے، جواہر خانے میں داخل ہو کر ایک صندوق جواہرات کا، بہت سے نسخے قرآن مجید کے اور آٹھ بڑی ٹوکریاں کتابوں کی کتب خانہ شاہی سے لوٹ لیں۔[3] اودھ کے نواب وزیر آصف الدولہ کے ماتحت اس کے نذیر حسن رضا خان نے فرخ آباد میں ایک مدرسہ تعمیر کیا جس میں مولانا عبد الوحید خیر آبادی درسِ علوم دیا کرتے تھے۔

یہاں ہم نے مسلمان بادشاہوں کی علمی و تعلیمی خدمات کا تذکرہ کیا ہے۔ جو کسی طرح مکمل نہیں کہا جا سکتا، کیونکہ مختلف امرا اور نوابوں کی جاگیروں میں بھی علوم و فنون کی ترویج و ترقی آغاز سے انجام تک برابر جاری رہی جس کا مفصل تذکرہ ایک مستقل کتاب کا متقاضی ہے۔

تعلیمِ نسواں

مسلمانوں کے دور میں جہاں لڑکوں کی تعلیم کا اہتمام و انتظام اکثر سلاطین و امرا اور علما کی طرف سے بوجہ احسن کیا جاتا رہا

---

[1] تاریخ فرخ آبادی۔ محمد ولی اللہ ۔ ۲۲۷۔ [2] آثار قدیمہ دہلی سٹیفن ۲۶۹۔ [3] عبرت نامہ فقیر خیر الدین محمد ۔ ایلیٹ ہشتم ۲۴۹۔

وہاں لڑکیوں کی تعلیم سے بھی غفلت نہیں کی گئی، اگرچہ زمانے کے بعض معاشرتی حالات اور قدامت پرست عناصر کے مخصوص خیالات تعلیم نسواں کی کماحقہٗ توسیع میں حائل ہوتے رہے، لیکن چونکہ اسلام میں مرد اور عورت دونوں پر طلب علم بطور فریضہ عائد تھی، اس لئے دین کے مبادی کی تعلیم ہر بچے اور بچی کو دی جاتی رہی۔ ہر محلے کی مسجد کے پیش امام کے حجرے میں بچوں اور بچیوں کی مخلوط تعلیم کا ایک مکتب ہوتا تھا جس میں وہ انھیں قرآن مجید اور مسئلے مسائل کی تعلیم دیتا تھا۔ اور جن بچوں اور بچیوں کے والدین اس امر کا مطالبہ کرتے تھے، انھیں فارسی لکھنا پڑھنا بھی سکھا دیا کرتا تھا۔ جونہی بچہ چار سال چار ماہ اور چار دن کا ہو جاتا تھا اسکے والدین اس کی رسم تسمیہ خوانی (بسم اللہ) ادا کرتے تھے، اور استاد پہلے ہی دن اس کو تبرکاً و تیمناً پہلا سبق دے دیتا تھا۔ اس موقع پر والدین حسب استطاعت محلے اور مکتب میں شیرینی تقسیم کرتے۔ مسجدوں کے مکاتب کے علاوہ بعض گھروں کی بیبیاں اپنے اپنے ہاں بچیوں کو قرآن اور مسائل نماز روزہ کی تعلیم دیتی تھیں، اور یہ پرائیویٹ استانیاں بے حد واجب الاحترام سمجھی جاتی تھیں۔ ان حقائق کے لئے ہمیں کسی حوالے یا سند کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ شمالی ہند میں ہر مسلمان ان سے واقف و آشنا ہے۔ اور مسجدوں کے مکاتب اور پرائیویٹ استانیاں اب بھی ابتدائی دینی تعلیم میں مصروف ہیں۔

جعفر شریف نے "قانونِ اسلامی" میں لکھا ہے کہ جب کوئی لڑکا یا لڑکی قرآن مجید ختم کر لیتے تھے، تو معلم کو باقاعدہ ہدایا پیش کئے جاتے تھے۔ وقتاً فوقتاً معلم اپنے شاگردوں کو عیدیاں لکھ کر دیتے تھے۔ یہ عیدیاں رنگین یا زرافشانی کاغذ پر لکھی جاتی تھیں۔ اور ان پر شعر یا نثر میں مبارک بادِ عید لکھی جاتی تھی۔ بچہ یا بچی اس عیدی کو پا کر اپنے والدین کو دکھاتے اور معلم کو ہر گھر سے انعام اور تحفے بھیجے جاتے تھے۔

یہ کیفیت تو عام مسلمانوں کی تھی۔ متوسط الحال اور بالائی طبقے کے گھروں میں باقاعدہ استانیاں ملازم ہوتی تھیں، مغلانیاں، انّا اور ددا کے ساتھ ساتھ آتوں بھی ہوتی تھی، جس کا کام بچیوں کو پڑھانا اور فرائض اتالیقی ادا کرنا تھا۔ سلاطین و امرا کے ہاں شہزادیوں اور امیرزادیوں کی ابتدائی تعلیم کے لئے استانیاں اور اعلیٰ تعلیم کے لئے سن رسیدہ علما مقرر کئے جاتے تھے۔ تاریخ کی کتابوں میں جا بجا اس امر کی شہادتیں ملتی ہیں۔ کہ ہندوستان کے مسلم سلاطین اپنی شہزادیوں کی تعلیم پر بہت زیادہ توجہ صرف کرتے تھے۔ اس ملک میں مسلمانوں کے دورِ زوال و انحطاط میں تعلیم نسواں کی جو مخالفت ہوئی، اور جس میں بعض بڑے بڑے علما نے بھی حصہ لیا، وہ محض زوال کا اثر اور روایاتِ اسلامی کی فراموشی کا نتیجہ تھا۔ ورنہ مسلمانوں نے اپنے عروج کے دور میں ثقافت کے اس اہم ترین شعبے یعنی تعلیم نسواں سے کبھی غفلت نہیں کی، بلکہ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ بادشاہ جتنا زیادہ دیندار ہوتا تھا۔ اسی قدر تعلیم نسواں پر اس کی توجہ زیادہ مبذول ہوتی تھی۔

سلطان شمس الدین التمش سے زیادہ دیندار بادشاہ کون ہوگا۔ جس کو اس کے ہم عصر اولیائے وقت میں شمار کرتے تھے۔ اس کی جانشین سلطانہ رضیہ نہایت تعلیم یافتہ خاتون تھی۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ قصر سلطانی کی دوسری شہزادیاں اور دربار شاہی کے امرائے مقربین کی بیٹیاں بھی حصول تعلیم میں سرگرم ہوں گی، چونکہ ہمارے مؤرخین زیادہ تر

بادشاہوں اور سیاسی شخصیتوں ہی کے حالات قلمبند کرتے ہیں۔ اس لئے انھوں نے اُس دَور کی اُن تعلیم یافتہ خواتین کا تذکرہ ضروری نہیں سمجھا جو سیاسی اعتبار سے اہمیت نہ رکھتی تھیں، لیکن تاریخ کے اکثر دریچوں سے حقیقت جھانکتی ہوئی نظر آ ہی جاتی ہے۔ مثلاً مالوہ کے مشہور سُلطان غیاث الدین کے متعلق لکھا ہے، کہ اس نے اپنی حرم سرا میں دربار کے علیحدہ دفاتر قائم کر رکھے تھے۔ اور ایک دفعہ تو اس کے قصرِ شاہی کے اندر کوئی پندرہ ہزار عورتیں جمع تھیں۔ ان میں اُستانیاں تھیں، گانے والیاں تھیں، دعائیں پڑھنے والیاں تھیں۔ اور دُوسرے تمام پیشوں اور فنوں کی ماہر عورتیں بھی موجود تھیں[۱]۔ ان اُستانیوں کا وجود ہی اس امر کی دلیل ہے۔ کہ محل میں تعلیم نسواں کا عام رواج تھا۔

اس میں شک نہیں، کہ ہندوستان کے مُسلمانوں میں ویسی عالم و فاضل، ادیب اور شاعر عورتیں کم ہوئی ہیں جیسی مثلاً بنوامیہ و بنوعباس کی خلافتوں اور اندلس کی حکومت کے زمانوں میں تھیں اور جن کے تذکرے تاریخ اور ادبیات کی کتابوں کی زینت ہیں۔ لیکن یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے، کہ سلاطین مغلیہ کے دَور میں نہ صرف تعلیم نسواں پر خصوصی توجہ صرف کی گئی۔ بلکہ بعض نہایت قابل و فاضل خواتین بھی پیدا ہوئیں۔ مثلاً بابر کی بیٹی اور ہمایوں کی بہن گلبدن بیگم نہایت شستہ و شائستہ مذاق کی انشا پرداز اور مورخہ تھی۔ اس کے پاس ایک کتب خانہ بھی تھا۔ جو اس نے خود فراہم کیا تھا۔ اس کی کتاب "ہمایوں نامہ"[۲] صرف اس دَور کی مستند ترین تاریخ ہی نہیں۔ بلکہ اس سے حرم شاہی کے حالات اور مصروفیتوں پر بھی کافی روشنی پڑتی ہے۔

ہمایوں کی بھانجی (شہزادی شاہ رُخ کی بیٹی) سلیمہ سلطانہ بیرم خان سے بیاہی گئی تھی۔ یہ شہزادی بہت پڑھی لکھی اور شاعرہ تھی[۳]۔ اور بیرم خان کے انتقال کے بعد شہنشاہ اکبر کی ملکہ بنی، کیونکہ اکبر اس کی تحصیلات علمی اور ذوقِ شعری کی بے حد قدر کرتا تھا۔ اکبر کی دودھ پلائی ماہم آنگہ جس نے اپنے جوڑ توڑ سے بیرم خان کی بیخ کنی میں بہت بڑا حصّہ لیا تھا، پڑھی لکھی اور علم دوست خاتون تھی۔ اس نے دہلی میں جو عالی شان مدرسہ تعمیر کرایا تھا۔ اس کا ذکر اس سے پہلے کیا جا چکا ہے۔ اکبر کو لڑکیوں کی تعلیم سے خاص شغف تھا۔ فتح پور سیکری میں اس نے جو محل تعمیر کرایا۔ اس میں لڑکیوں کی تعلیم کے لئے علیحدہ کمرے مخصوص کر دیئے تھے۔ ظاہر ہے، کہ دہلی و آگرہ کے محلوں میں بھی یقیناً اس مقصد کے لئے خاص انتظام ہوگا جس کا ذکر مورخین نے نہیں کیا۔ لیکن فتح پور سیکری کے انتظام سے اندازہ کیا جا سکتا ہے، کہ اس بادشاہ نے اپنے ہر محل میں "گرلز سکول" کا بندوبست کیا ہوگا[۴]۔

جہانگیر کی مشہور ملکہ نورجہاں بیگم کے جتنے حالات کتب تاریخ میں مندرج ہیں، ان سے واضح ہے، کہ وہ فارسی و عربی میں بہرہ وافر رکھتی تھی۔ اور اشعار بے تکلف کہتی تھی۔ اس کے علم اور اس کی ذہانت کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے

---

[۱] فرشتہ چہارم ۲۳۶۔ [۲] ہمایوں نامہ گلبدن بیگم ص۷۶۔

[۳] آئین اکبری (بلاکمین) ص۳۰۹۔ [۴] فتح پور سیکری۔ سمتھ اوّل ص۳۔

کہ اس نے کاروبارِ سلطنت کے اجرا کی پوری ذمہ داری اپنے سر لے رکھی تھی اور تمام شعبہ ہائے حکومت میں اپنی صوابدید سے احکام و فرامین جاری کرتی تھی۔ شاہ جہاں کی ملکہ ارجمند بانو بیگم (ممتاز محل) فارسی میں خاصی مہارت رکھتی تھی اور شعر بھی کہتی تھی۔ اس کی بڑی بیٹی جہاں آرا بیگم تعلیم یافتہ خاتون تھی، اور اپنے زمانے کے ارباب علم کی مالی امداد و سرپرستی کرتی تھی۔ شاہ جہاں کے زمانۂ نظر بندی میں یہی بیٹی تھی۔ جو اپنے بوڑھے باپ ندیم و دمساز تھی۔ اور اس کو کتابیں پڑھ کر سنایا کرتی تھی۔

پروفیسر سرکار نے "حکایات اورنگ زیب" میں لکھا ہے۔ کہ حافظہ ستی النسا بیگم فارسی کی عالمہ تھی، اور ملکہ ممتاز محل کی ناظرہ بیشی کے فرائض انجام دیتی تھی۔ اسی کی سفارش سے ملکہ غریب و نادار علما و مشائخ کی بیٹیوں کو عطیات و وظائف دیا کرتی تھی اور ستی النسا بیگم ہی، جہاں آرا بیگم کی تعلیم و تربیت اور اتالیقی کے منصب پر ممتاز ہوئی تھی۔ شاہنشاہ اورنگ زیب کی بڑی شہزادی زیب النسا بیگم بہت عاقلہ و عالمہ تھی، عالمگیر نے اسے خود تعلیم دی تھی اور اس کو قرآن مجید کے مطالب و معانی میں کامل بنا دیا تھا۔ یہ خاتون فارسی، عربی میں پوری مہارت اور فن خطاطی میں کمال رکھتی تھی۔ اس نے بہت سے علما، شعرا اور ادبا کو وظائف دے رکھے تھے۔ چنانچہ اسی وجہ سے بہت سی کتابیں اس کے نام پر معنون کی گئی تھیں۔ اورنگ زیب کی ایک اور بیٹی بدر النسا گو زیب النسا کی سی عالمہ نہ تھی، لیکن حافظۂ قرآن تھی۔

یہ صرف اُن خواتین کا مختصر تذکرہ ہے۔ جن کے نام کتب تاریخ میں نہایت ممتاز اور نمایاں ہیں۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان کا کوئی شاہی خاندان تعلیم یافتہ شہزادیوں سے خالی نہ تھا۔ علاوہ بریں امرائے دربار، والیان صوبہ جات۔ جاگیردار اور علما و مشائخ اپنی بیٹیوں کو تعلیم دلانے میں ہرگز کوتاہی نہ کرتے تھے۔ اور ان کی تقلید میں بالائی متوسط الحال طبقہ بھی تعلیم نسواں سے غافل نہ تھا۔

اسلام کا معاشی نظریہ

مصنفہ محمد مظہر الدین صدیقی ایم اے۔ اس کتاب میں ان نظریات کی تردید کی گئی ہے جو انفرادی ملکیت کو رکنِ دین قرار دے کر زمینداری اور جاگیرداری کو اسلام کی رو سے جائز قرار دیتے ہیں۔ اجتماعی ملکیت کے مسئلہ سے بحث کرتے ہوئے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ اگرچہ اسلام افراد کے حقِ ملکیت کو ایک وسیع دائرہ میں تسلیم کرتا ہے لیکن اگر افراد اس حق کے استعمال میں ظلم اور ناجائز استحصال کرنے لگیں تو اسلامی مملکت کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ انکے حقِ ملکیت پر مناسب پابندیاں لگائے نیز ظلم و فساد کو روکنے کے لئے اسلامی مملکت بڑی بڑی صنعتوں اور زمینداریوں کو افراد کی ملکیت سے نکال کر حکومت کی ملک بنا سکتی ہے۔ قیمت ڈیڑھ روپیہ۔

ملنے کا پتہ

سکریٹری ادارۂ ثقافت اسلامیہ ۔۲۔ کلب روڈ۔ لاہور (پاکستان)

محمد حنیف ندوی

اجتہاد

تعریف:- تشریع و فقہ کا پانچواں مبنیٰ اجتہاد ہے ——— اس کی کیا تعریف ہے؟ اس کے بارے میں اصولیوں کے مختلف اقوال ہیں لغۃً اس کا تعلق "جہد" سے ہے، جس کے ایک معنی مشقت کے ہوتے ہیں، اس لحاظ سے اجتہاد کا مطلب ہوا، ایسی سعی و کوشش جو فی نفسہٖ اگرچہ تعب و مشقت کی حامل ہو، تاہم اس کے ذریعہ فکر و عمل کی مشقت سے نکلنا ممکن ہو جائے ——— اصطلاح میں کسی حکم شرعی کو معلوم کرنے کے لئے فکر و استنباط کی صلاحیتوں کو استعمال کرنے کا نام ہے۔

ابوبکر رازی نے اجتہاد کے اطلاقات کو تین معنوں میں محصور ٹھہرایا ہے ایک قیاس شرعی جس میں ایک حکم کی ایک علت دریافت کی جاتی ہے جو موجب حکم ہو، اور اس کے بعد اس علت موجبہ پر فروع کو مترتب کیا جاتا ہے۔

دوسرے جس میں علل و اسباب کا کھوج لگانا مقصود نہ ہو، بلکہ صرف ظن و تخمین غالب سے ایک بات طے کرنا مطلوب ہو، جیسے وقت کی تعیین کرنا، یا جہت قبلہ کا تقرر وغیرہ۔

تیسرے کچھ بچے تلے اصولوں کی بنا پر جزئیات تک رسائی حاصل کرنا۔ آمدی نے اجتہاد کی تعریف ان لفظوں میں بیان کی ہے:

هو فی الاصطلاح استفراغ الوسع فی طلب الظن بشیٔ من الاحکام الشرعیة

یحس من النفس العجز عن المزید علیه - (ارشاد الفحول)

اصطلاح فقہا میں احکام شرعیہ میں سے کسی چیز کے بارے میں ظن غالب کو حاصل کرنے کے لئے پوری پوری کوشش کرنے اور طاقت کھپانے کے ہیں کہ اس پر اس سے زیادہ غور و خوض ممکن نہ ہو۔

اجتہاد کی غیر مصطلح تعریف: غیر اصطلاحی انداز بیان میں یوں سمجھئے، کہ اسلام چونکہ ایک حکیمانہ نظام فکر و عمل ہے، اس لئے اس کی بناوٹ میں مصالح و علل کی باریک استواریاں ہیں۔ اس کے احکام میں ایک طرح کا لطیف معنی و ربط پنہاں ہے اور اس کے مسائل کے نیچے فلسفہ عمومی کی ایک جوئے حیات ہے کہ رواں دواں ہے ——— لہٰذا مجتہد وہ ہے۔ جس کی نظر اس کے پورے عقلی نظام پر ہے، اور جو اس میں اس استواری کو پا لیتا ہے جو اس میں پنہاں ہے اور اس معنی و تعلق کا سراغ لگا لیتا ہے، جو بظاہر مخفی ہے۔ لیکن موجود ہے اور اس جوئے حیات میں سے تازگی و زندگی کا راز دریافت کر لیتا ہے جس سے اسلام کے گلشن فکر کی تازگی قائم ہے ——— پھر ان علل و اسباب اور معنی و ربط کی روشنی میں پیش آیند مسائل کا حل ڈھونڈتا ہے اور ان کے نئے نئے اطلاقات دریافت کرنا ہے۔

شرائط اجتہاد: مجتہدین میں کیا خوبیاں ہونا چاہئیں؟ اور علم و فضل کی کتنی مقدار اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کیلئے